

قدرت والا ہے۔ (۳۳)

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب داروگیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا،^(۱) لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک میعاد معین تک مہلت دے^(۲) رہا ہے، سو جب ان کی وہ میعاد آپہنچے گی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا۔^(۳) (۳۵)

سورہ یسین کی ہے اور اس میں تراوی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یسین (۱) قسم ہے قرآن باحکمت کی۔^(۵) (۲)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرهَا
مِنْ دَابَّةٍ وَ لَلْحِصْنُ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ
فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝

سُورَةُ الْيَسِينِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

يَس ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝

(۱) انسانوں کو تو ان کے گناہوں کی پاداش میں اور جانوروں کو انسانوں کی نحوست کی وجہ سے۔ یا مطلب ہے کہ تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیتا، انسانوں کو بھی اور جن جانوروں اور روزیوں کے وہ مالک ہیں، ان کو بھی۔ یا مطلب ہے کہ آسمان سے بارشوں کا سلسلہ منقطع فرمادیتا، جس سے زمین پر چلنے والے سب دابہ مر جاتے۔

(۲) یہ میعاد معین دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور یوم قیامت تو ہے ہی۔

(۳) یعنی اس دن ان کا محاسبہ کرے گا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کا پورا بدلہ دے گا۔ اہل ایمان و اطاعت کو اجر و ثواب اور اہل کفر و معصیت کو عتاب و عقاب۔ اس میں مومنوں کے لیے تسلی ہے اور کافروں کے لیے وعید۔

☆ سورہ یاسین کے فضائل میں بہت سی روایات مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہ قرآن کا دل ہے، اسے قریب المرگ شخص پر پڑھو، وغیرہ۔ لیکن سند کے لحاظ سے کوئی روایت بھی درجہ صحت کو نہیں پہنچتی۔ بعض بالکل موضوع ہیں یا پھر ضعیف ہیں۔ قلب قرآن والی روایت کو شیخ البانی نے موضوع قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ - حدیث نمبر ۱۶۹)

(۴) بعض نے اس کے معنی یا رجل یا انسان کے کیے ہیں۔ بعض نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور بعض نے اسے اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بتلایا ہے۔ لیکن یہ سب اقوال بلا دلیل ہیں۔ یہ بھی ان حروف مقطعات میں سے ہی ہے۔ جن کا معنی و مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۵) یا قرآن محکم کی، جو نظم و معنی کے لحاظ سے محکم یعنی پختہ ہے۔ واو قسم کے لیے ہے۔ آگے جو اب قسم ہے۔

<p>کہ بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔^(۱) (۳)</p> <p>سیدھے راستے پر ہیں۔^(۲) (۴)</p> <p>یہ قرآن اللہ زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔^(۳) (۵)</p> <p>تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے تھے، سو (اسی وجہ سے) یہ غافل ہیں۔^(۴) (۶)</p> <p>ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔^(۵) (۷)</p>	<p>إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝</p> <p>عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝</p> <p>تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝</p> <p>لِيُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۝</p> <p>لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝</p>
--	--

(۱) مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں شک کرتے تھے، اس لیے آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے اور کہتے تھے ﴿لَسْتَ مُرْسَلًا﴾ (الرعد-۴۳) ”تو تو پیغمبر ہی نہیں ہے“۔ اللہ نے ان کے جواب میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر کہا کہ آپ ﷺ یقیناً اس کے پیغمبروں میں سے ہیں۔ اس میں آپ ﷺ کے شرف و فضل و اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی رسول کی رسالت کے لئے قسم نہیں کھائی یہ بھی آپ ﷺ کے امتیازات اور خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی رسالت کے اثبات کے لیے قسم کھائی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) یہ إِنَّكَ کی دوسری خبر ہے۔ یعنی آپ ﷺ ان پیغمبروں کے راستے پر ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ یا ایسے راستے پر ہیں جو سیدھا اور مطلوب منزل (جنت) تک پہنچانے والا ہے۔

(۳) یعنی اس اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو عزیز ہے یعنی اس کا انکار اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والے سے انتقام لینے پر قادر ہے رحیم ہے یعنی جو اس پر ایمان لائے گا اور اس کا بندہ بن کر رہے گا، اس کے لیے نہایت مہربان ہے۔

(۴) یعنی آپ ﷺ کو رسول اس لیے بنایا ہے اور یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ ﷺ اس قوم کو ڈرائیں جن میں آپ ﷺ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، اس لیے ایک مدت سے یہ لوگ دین حق سے بے خبر ہیں۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے کہ عربوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے براہ راست کوئی نبی نہیں آیا۔ یہاں بھی اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔

(۵) جیسے ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ۔ بات ثابت ہونے کا مطلب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ”میں جنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا“۔ (الم السجدہ-۱۳) شیطان سے بھی خطاب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا تھا ”میں جنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھر دوں گا“۔ (ص-۸۴) یعنی ان لوگوں نے شیطان کے پیچھے لگ کر اپنے آپ کو جنم کا مستحق قرار دے لیا، کیونکہ اللہ نے تو ان کو اختیار و حریت ارادہ سے نوازا تھا، لیکن انہوں نے اس کا استعمال غلط کیا اور یوں جنم کا بندھن بن گئے۔ یہ نہیں کہ اللہ نے جبراً ان کو ایمان سے محروم رکھا، کیونکہ جبر کی صورت میں تو وہ عذاب کے مستحق ہی قرار نہ پاتے۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ
فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ⑩

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ⑪

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑫

إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبِ
فَاسْتَرَهٗ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ⑬

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ

ہم نے انکی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں
تک ہیں، جس سے انکے سراپر کو الٹ گئے ہیں۔ (۸)

اور ہم نے ایک آڑان کے سامنے کردی اور ایک آڑان
کے پیچھے کردی، (۹) جس سے ہم نے ان کو ڈھانک دیا (۳) سو
وہ نہیں دیکھ سکتے۔ (۹)

اور آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں دونوں برابر ہیں، یہ
ایمان نہیں لائیں گے۔ (۱۰)

بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں (۵) جو
نصیحت پر چلے اور رحمن سے بے دیکھے ڈرے، سو آپ
اس کو مغفرت اور باوقار اجر کی خوش خبریاں سنا دیجئے۔ (۱۱)
بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے، (۱۱) اور ہم لکھتے جاتے
ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں (۴) اور ان

(۱) جس کی وجہ سے وہ ادھر ادھر دیکھ سکتے ہیں، نہ سر جھکا سکتے ہیں، بلکہ وہ سراپر اٹھائے اور نگاہیں نیچی کیے ہوئے ہیں۔ یہ ان
کے عدم قبول حق کی اور عدم انفاق کی تمثیل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان کی سزائے جہنم کی کیفیت کا بیان ہو۔ (السر التفسیر)
(۲) یعنی دنیا کی زندگی ان کے لیے مزین کر دی گئی، یہ گویا ان کے سامنے کی آڑ ہے، جس کی وجہ سے وہ لہذا دنیا کے
علاوہ کچھ نہیں دیکھتے اور یہی چیز ان کے اور ایمان کے درمیان مانع اور حجاب ہے اور آخرت کا تصور ان کے ذہنوں میں
ناممکن الوقوع کر دیا گیا، یہ گویا ان کے پیچھے کی آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں،
کیونکہ آخرت کا کوئی خوف ہی ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

(۳) یا ان کی آنکھوں کو ڈھانک دیا یعنی رسول ﷺ سے عداوت اور اس کی دعوت حق سے نفرت نے ان کی آنکھوں
پر پٹی باندھ دی، یا انہیں اندھا کر دیا ہے جس سے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ یہ ان کے حال کی دوسری تمثیل ہے۔

(۴) یعنی جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے گمراہی کے اس مقام پر پہنچ جائیں، ان کے لیے انذار بے فائدہ رہتا ہے۔

(۵) یعنی انذار سے صرف اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(۶) یعنی قیامت والے دن۔ یہاں احیائے موتی کے ذکر سے یہ اشارہ کرنا بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں میں سے جس کا
دل چاہتا ہے، زندہ کر دیتا ہے جو کفر و ضلالت کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ پس وہ ہدایت اور ایمان کو اپنالیتے ہیں۔

(۷) مَا قَدَّمُوا سے وہ اعمال مراد ہیں جو انسان خود اپنی زندگی میں کرتا ہے اور آثَارَهُمْ سے وہ اعمال جن کے عملی نمونے (اچھے

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامِهِ مُبِينٌ ﴿۱۲﴾

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقُرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا
الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۳﴾

إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ الْمُرْسَلِينَ فَقَالُوا هَذَا نَبَأٌ بَشَرٌ لِّث

کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں، اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے۔ (۱۲)

اور آپ ان کے سامنے ایک مثال (یعنی ایک) بستی والوں کی مثال (اس وقت کا) بیان کیجئے جبکہ اس بستی میں (کئی) رسول آئے۔ (۱۳)

جب ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا سو ان لوگوں نے (اول) دونوں کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے سے تائید کی سو ان تینوں

یا برے) وہ دنیا میں چھوڑ جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اقتدا میں لوگ وہ اعمال بجالاتے ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے ”جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا، اس کے لیے اس کا اجر بھی ہے اور اس کا بھی ہے جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی ہو اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا، اس پر اس کے اپنے گناہ کا بھی بوجھ ہو گا اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے بوجھ میں کمی ہو۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرۃ) اسی طرح یہ حدیث ہے ”جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تین چیزوں کے۔ ایک علم، جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں (۲) نیک اولاد جو مرنے والے کے لیے دعا کرے (۳) یا صدقہ جاریہ، جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ فیض یاب ہوں (صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته) دو سرا مطلب آثارہم کا نشانات قدم ہے۔ یعنی انسان نیکی یا بدی کے لیے جو سفر کرتا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو قدموں کے یہ نشانات بھی لکھے جاتے ہیں۔ جیسے عمد رسالت میں مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی تھی تو بنو سلمہ نے ادھر منتقل ہونے کا ارادہ کیا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد کے قریب منتقل ہونے سے روک دیا اور فرمایا دِیَارُكُمْ تُکْتَبُ آثَارُكُمْ (دو مرتبہ فرمایا) یعنی ”تمہارے گھر اگرچہ دور ہیں، لیکن وہیں رہو، جتنے قدم تم چل کر آتے ہو، وہ لکھے جاتے ہیں۔“ (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل کثرة الخطی الی المساجد) امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ دونوں مفہوم اپنی جگہ صحیح ہیں، ان کے درمیان منافات نہیں ہے۔ بلکہ اس دوسرے مفہوم میں سخت تشبیہ ہے، اس لیے کہ جب قدموں کے نشانات تک لکھے جاتے ہیں، تو انسان جو اچھا یا برا نمونہ چھوڑ جائے، جس کی لوگ بعد میں پیروی کریں تو وہ بطریق اولیٰ لکھے جائیں گے۔

(۱) اس سے مراد لوح محفوظ ہے اور بعض نے صحائف اعمال مراد لیے ہیں۔

(۲) تاکہ اہل مکہ یہ سمجھ لیں کہ آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں، بلکہ رسالت و نبوت کا یہ سلسلہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔

نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔^(۱۱) ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم نرا جھوٹ بولتے ہو۔^(۱۵) ان (رسولوں) نے کہا ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بیشک ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔^(۱۶)

اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔^(۱۷) انہوں نے کہا کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔^(۲) اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کر دیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔^(۱۸)

ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی^(۳) ہے، کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جائے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔^(۱۹)

اور ایک شخص (اس) شہر کے آخری حصے سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو^(۲۰) ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ راہ راست پر ہیں۔^(۲۱)

فَقَالُوا إِنَّا إِلَهُكُمْ مُرْسَلُونَ ①
قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ ②
إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا لَكَاذِبُونَ ③
قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَهُكُمْ لَمُرْسَلُونَ ④
وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ⑤
قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَكِن لَمْ نَمُوتْ وَأَلَمْ نَكُنْ لَكُمْ وَاوِيَاتٍ وَمَا نَكُنْ لَكُمْ مَسَافِرِينَ ⑥
قَالُوا طَائِفُكُمْ مَعَكُمْ وَمَا يَحْتَجِرَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّهُمْ يُرْسَلُونَ ⑦
وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدْيَنَةِ رَجُلٌ يُسَعِي قَالَ يُقَوْمِ اسْمِعُوا الْوَرِثَةَ ⑧
اسْمِعُوا مَنِ لَا يَسْتَعْلِكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ⑨

قَالُوا طَائِفُكُمْ مَعَكُمْ وَمَا يَحْتَجِرَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّهُمْ يُرْسَلُونَ ⑦

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدْيَنَةِ رَجُلٌ يُسَعِي قَالَ يُقَوْمِ اسْمِعُوا الْوَرِثَةَ ⑧

اسْمِعُوا مَنِ لَا يَسْتَعْلِكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ⑨

(۱) یہ تین رسول کون تھے؟ مفسرین نے ان کے مختلف نام بیان کیے ہیں، لیکن نام مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے، جو انہوں نے اللہ کے حکم سے ایک بستی میں تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجے تھے۔ بستی کا نام انطاکیہ تھا۔

(۲) ممکن ہے کچھ لوگ ایمان لے آئے ہوں اور ان کی وجہ سے قوم دوگروہوں میں بٹ گئی ہو، جس کو انہوں نے رسولوں کی نَعُوذُ بِاللَّهِ نحوست قرار دیا۔ یا بارش کا سلسلہ موقوف رہا ہو، تو وہ سمجھے ہوں کہ یہ ان رسولوں کی نحوست ہے۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ، جیسے آج کل بھی بد نما اور دین و شریعت سے بے بہرہ لوگ، اہل ایمان و تقویٰ کو ہی ”منحوس“ سمجھتے ہیں۔

(۳) یعنی وہ تو تمہارے اپنے اعمال بد کا نتیجہ ہے جو تمہارے ساتھ ہی ہے نہ کہ ہمارے ساتھ۔

(۴) یہ شخص مسلمان تھا، جب اسے پتہ چلا کہ قوم پیغمبروں کی دعوت کو نہیں اپناتی ہے، تو اس نے آکر رسولوں کی حمایت اور ان کے اتباع کی ترغیب دی۔

اور مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۲۲)

کیا میں اسے چھوڑ کر ایسوں کو معبود بناؤں کہ اگر (اللہ) رحمن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں۔^(۲۳) پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں۔^(۲۴) میری سنو! میں تو (سچے دل سے) تم سب کے رب پر ایمان لاچکا۔^(۲۵)

(اس سے) کہا گیا کہ جنت میں چلا جا، کہنے لگا کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا۔^(۲۶) کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں

وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۲﴾

أَتَأْتِدُنَّ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِن يُرِيدَنَّ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لِّاتِّعَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونَّ ﴿۲۳﴾

إِنِّي إِذْ أَلْفَيْتُ ضَلِيلٌ مُّبِينٌ ﴿۲۴﴾

إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمِعُونِ ﴿۲۵﴾

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾

بِمَا عَفَّرَنِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۲۷﴾

(۱) اپنے مسلک توحید کی وضاحت کی، جس سے مقصد اپنی قوم کی خیر خواہی اور ان کی صحیح رہنمائی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قوم نے اس سے کہا ہو کہ کیا تو بھی اس معبود کی عبادت کرتا ہے، جس کی طرف یہ مرسلین ہمیں بلا رہے ہیں اور ہمارے معبودوں کو تو بھی چھوڑ بیٹھا ہے؟ جس کے جواب میں اس نے یہ کہا۔ مفسرین نے اس شخص کا نام حبیب نجار بتلایا ہے، واللہ اعلم۔

(۲) یہ ان معبودان باطلہ کی بے بسی کی وضاحت ہے جن کی عبادت اس کی قوم کرتی تھی اور شرک کی اس گمراہی سے نکلنے کے لیے رسول ان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ نہ بچا سکیں کا مطلب ہے کہ اللہ اگر مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو یہ بچا نہیں سکتے۔

(۳) یعنی اگر میں بھی تمہاری طرح، اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے اختیار اور بے بس معبودوں کی عبادت شروع کر دوں، تو میں بھی کھلی گمراہی میں جا کروں گا۔ یا ضلال، یہاں خسران کے معنی میں ہے، یعنی یہ تو نہایت واضح خسارے کا سودا ہے۔

(۴) اس کی دعوت توحید اور اقرار توحید کے جواب میں قوم نے اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے پیغمبروں سے خطاب کر کے یہ کہا، مقصد اپنے ایمان پر ان پیغمبروں کو گواہ بنانا تھا۔ یا اپنی قوم سے خطاب کر کے کہا جس سے مقصود دین حق پر اپنی صلابت اور استقامت کا اظہار تھا کہ تم جو چاہو کر لو، لیکن اچھی طرح سن لو کہ میرا ایمان اسی رب پر ہے، جو تمہارا بھی رب ہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو مار ڈالا اور کسی نے ان کو اس سے نہیں روکا۔ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى

میں سے کر دیا۔^(۱) (۲۷)

اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا،^(۲) اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں۔^(۳) (۲۸)
وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکایک وہ سب کے سب بچھ بچھ گئے۔^(۴) (۲۹)

(ایسے) بندوں پر افسوس! ^(۵) کبھی بھی کوئی رسول ان کے پاس نہیں آیا جس کی ہنسی انہوں نے نہ اڑائی ہو۔ (۳۰)
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان کے پہلے بہت سی قوموں کو ہم نے غارت کر دیا کہ وہ ان ^(۶) کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ (۳۱)

اور نہیں ہے کوئی جماعت مگر یہ کہ وہ جمع ہو کر ہمارے

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ
وَمَا كُنَّا نُنزِلِينَ ۝۲۷

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خُمُودٌ ۝۲۸

يَحْضُرُونَ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ
يَسْتَهْزِئُونَ ۝۲۹

أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ
لَا يَرْجِعُونَ ۝۳۰

وَإِنْ كُلُّ لُحْمٍ جَمِيعٍ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝۳۱

(۱) یعنی جس ایمان اور توحید کی وجہ سے مجھے رب نے بخش دیا، کاش میری قوم اس بات کو جان لے تاکہ وہ بھی ایمان و توحید کو اپنا کر اللہ کی مغفرت اور اس کی نعمتوں کی مستحق ہو جائے۔ اس طرح اس شخص نے مرنے کے بعد بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی۔ ایک مومن صادق کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت لوگوں کی خیر خواہی ہی کرے، بد خواہی نہ کرے۔ ان کی صحیح رہنمائی کرے، گمراہ نہ کرے، بیشک لوگ اسے جو چاہے کہیں اور جس قسم کا سلوک چاہیں کریں، حتیٰ کہ اسے مار ڈالیں۔

(۲) یعنی حبیب نجار کے قتل کے بعد ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا۔ یہ اس قوم کی تحقیر شان کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) یعنی جس قوم کی ہلاکت کسی دوسرے طریقے سے لکھی جاتی ہے تو وہاں ہم فرشتے نازل بھی نہیں کرتے۔

(۴) کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری، جس سے سب کے جسموں سے روہیں نکل گئیں اور وہ بھیجی آگ کی طرح ہو گئے۔ گویا زندگی، شعلہ فروزاں ہے اور موت، اس کا بچھ کر رکھ کا ڈھیر ہو جانا۔

(۵) حسرت و ندامت کا یہ اظہار خود اپنے نفسوں پر، قیامت والے دن، عذاب دیکھنے کے بعد کریں گے کہ کاش انہوں نے اللہ کے بارے میں کوتاہی نہ کی ہوتی یا اللہ تعالیٰ بندوں کے رویے پر افسوس کر رہا ہے کہ ان کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا انہوں نے اس کے ساتھ استہزا ہی کیا۔

(۶) اس میں اہل مکہ کے لیے تنبیہ ہے کہ تکذیب رسالت کی وجہ سے جس طرح پچھلی قومیں تباہ ہوئیں یہ بھی تباہ ہو سکتے ہیں۔

سامنے حاضر کی جائے گی۔^(۱) (۳۲)
 اور ان کے لیے ایک نشانی^(۲) (خشک) زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور اس سے غلہ نکالا جس میں سے وہ کھاتے ہیں۔ (۳۳)
 اور ہم نے اس میں کھجوروں کے اور انگور کے باغات پیدا کر دیئے،^(۳) اور جن میں ہم نے چشمے بھی جاری کر دیئے ہیں۔ (۳۴)
 تاکہ (لوگ) اس کے پھل کھائیں،^(۴) اور اس کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا۔^(۵) پھر کیوں شکر گزاری نہیں کرتے۔ (۳۵)
 وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے

وَاٰیةٌ لَهُمُ الْاَرْضُ الْمَيِّتَةُۙ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا
 فَمِنْهُ يَاكُلُوْنَ ۝۲۳
 وَجَعَلْنَا فِيهَا جَبَلًا مِّنْ نَّحِیْلِ وَاَعْنَابًا وَفَجَّرْنَا فِيهَا مَیْنَ
 الْعُیُوْنِ ۝۲۴
 لِيَاكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۙ وَمَا عَمِلْتُمْ اٰیٰتِهٖۙ اَلَّا يَشْكُرُوْنَ ۝۲۵
 سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ

- (۱) اس میں ان نافیہ ہے اور لَمَّا 'اِلا کے معنی میں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ گزشتہ بھی اور آئندہ آنے والے بھی سب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے جہاں ان کا حساب کتاب ہو گا۔
- (۲) یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی قدرت تامہ اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر نشانی۔
- (۳) یعنی مردہ زمین کو زندہ کر کے ہم اس سے ان کی خوراک کے لیے صرف غلہ ہی نہیں اگاتے بلکہ ان کے کام و دہن کی لذت کے لیے انواع و اقسام کے پھل بھی کثرت سے پیدا کرتے ہیں، یہاں صرف دو پھلوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ کثیر المنافع بھی ہیں اور عربوں کو مرغوب بھی، نیز ان کی پیداوار بھی عرب میں زیادہ ہے۔ پھر غلے کا ذکر پہلے کیا کیونکہ اس کی پیداوار بھی زیادہ ہے اور خوراک کی حیثیت سے اس کی اہمیت بھی مسلمہ۔ جب تک انسان روٹی یا چاول وغیرہ خوراک سے اپنا پیٹ نہیں بھرتا، محض پھل فروٹ سے اس کی غذائی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔
- (۴) یعنی بعض جگہ چشمے بھی جاری کرتے ہیں، جس کے پانی سے پیدا ہونے والے پھل لوگ کھائیں۔
- (۵) امام ابن جریر کے نزدیک یہاں ما نافیہ ہے یعنی غلوں اور پھلوں کی یہ پیداوار، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو وہ اپنے بندوں پر کرتا ہے۔ اس میں ان کی سعی و محنت، کدو کاوش اور تصرف کا دخل نہیں ہے۔ پھر بھی یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر کیوں نہیں کرتے؟ اور بعض کے نزدیک 'ما' متوصلہ ہے جو اللہ کے معنی میں ہے یعنی تاکہ وہ اس کا پھل کھائیں اور ان چیزوں کو جن کو ان کے ہاتھوں نے بنایا۔ ہاتھوں کا عمل ہے، زمین کو ہموار کر کے بچ بونا، اسی طرح پھلوں کے کھانے کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً انہیں نچوڑ کر ان کا رس پینا، مختلف فروٹوں کو ملا کر چاٹ بنانا، وغیرہ۔

أَنفِهِمْ وَمَا لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾

خواہ وہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہوں، خواہ خود ان کے نفوس ہوں خواہ وہ (چیزیں) ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں۔^(۱) (۳۶)

اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ دیتے ہیں تو وہ یکایک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔^(۲) (۳۷)

اور سورج کے لیے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے۔^(۳) یہ ہے مقرر کردہ غالب، با علم اللہ تعالیٰ کا۔ (۳۸) اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں،^(۴) یہاں تک

وَالشَّمْسُ بَغْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۷﴾

وَالْقَمَرَ قَدَّارَهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۸﴾

(۱) یعنی انسانوں کی طرح زمین کی ہر پیداوار میں بھی ہم نے نر اور مادہ دونوں پیدا کیے ہیں۔ علاوہ ازیں آسمانوں میں اور زمین کی گہرائیوں میں بھی جو چیزیں تم سے غائب ہیں، جن کا علم تم نہیں رکھتے، ان میں بھی زوجیت (نر اور مادہ) کا یہ نظام ہم نے رکھا ہے۔ پس تمام مخلوق جوڑا جوڑا ہے، نباتات میں بھی نر اور مادے کا یہی نظام ہے۔ حتیٰ کہ آخرت کی زندگی، دنیا کی زندگی کے لیے بمنزلہ زوج ہے اور یہ حیات آخرت کے لیے ایک عقلی دلیل بھی ہے۔ صرف ایک اللہ کی ذات ہے جو مخلوق کی اس صفت سے اور دیگر تمام کو تاہیوں سے پاک ہے۔ وہ وتر (فرد) ہے، زوج نہیں۔

(۲) یعنی اللہ کی قدرت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے، جس سے فوراً اندھیرا چھا جاتا ہے۔ سُلْح کے معنی ہوتے ہیں جانور کی کھال کا اس کے جسم سے علیحدہ کرنا، جس سے اس کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے۔ أَظْلَمَ کے معنی ہیں، اندھیرے میں داخل ہونا۔ جیسے أَضْبَحَ اور أَمْسَى اور أَظْهَرَ کے معنی ہیں، صبح، شام اور ظہر کے وقت میں داخل ہونا۔

(۳) یعنی اپنے اس مدار (فلک) پر چلتا رہتا ہے، جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے، اسی سے اپنی سیر کا آغاز کرتا ہے اور وہیں پر ختم کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے ذرا ادھر ادھر نہیں ہوتا، کہ کسی دوسرے سیارے سے ٹکرا جائے۔ دوسرے معنی ہیں ”اپنے ٹھہرنے کی جگہ تک“ اور اس کا یہ مقام قرار عرش کے نیچے ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے جو صفحہ ۹۱۶ پر گزر چکی ہے کہ سورج روزانہ غروب کے بعد عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور پھر وہاں سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے (صحیح بخاری، تفسیر سورہ یٰسین) دونوں مفہوم کے اعتبار سے لِمُسْتَقَرٍّ میں لام، علت کے لیے ہے۔ اٰیٰی لِاَجْلِ مُسْتَقَرٍّ لَّهَا بعض کہتے ہیں کہ لام، الٰی کے معنی میں ہے، پھر مستقریوم قیامت ہو گا۔ یعنی سورج کا یہ چلنا قیامت کے دن تک ہے، قیامت والے دن اس کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ یہ تینوں مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

(۴) چاند کی ۲۸ منزلیں ہیں، روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے، پھر دو راتیں غائب رہ کر تیسری رات کو نکل آتا ہے۔

کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ (۳۹)^(۱)
 نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے (۲) اور نہ
 رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے، (۳) اور سب کے
 سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔ (۴۰)^(۴)
 اور ان کے لیے ایک نشانی (یہ بھی) ہے کہ ہم نے ان کی
 نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ (۴۱)^(۵)
 اور ان کے لیے اسی جیسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر یہ
 سوار ہوتے ہیں۔ (۴۲)^(۶)
 اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ڈبو دیتے۔ پھر نہ تو کوئی ان کا

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الْبُرُجُ تُدْرِكُ النَّجْمَ
 وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۳۹﴾

وَأَيُّكُمْ أَتَىٰ حَمِلَتَنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ﴿۴۰﴾

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿۴۱﴾

وَإِنْ نَشَاءُ نُغْرِقْهُمْ فَلَا يَصْرِفُهُمْ وَلَهُمُ الْأَمْمَارُ ﴿۴۲﴾

(۱) یعنی جب آخری منزل پر پہنچتا ہے تو بالکل باریک اور چھوٹا ہو جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی ہو، جو سوکھ کر ٹیڑھی
 ہو جاتی ہے۔ چاند کی انہی گردشوں سے سکان ارض اپنے دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب اور اپنے اوقات عبادت کا
 تعین کرتے ہیں۔

(۲) یعنی سورج کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے جس سے اس کی روشنی ختم ہو جائے بلکہ دونوں کا اپنا
 اپنا راستہ اور الگ الگ حد ہے۔ سورج دن ہی کو اور چاند رات ہی کو طلوع ہوتا ہے اس کے برعکس کبھی نہیں ہوا، جو
 ایک مدبر کائنات کے وجود پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

(۳) بلکہ یہ بھی ایک نظام میں بندھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔

(۴) کُلٌّ سے سورج، چاند یا اس کے ساتھ دوسرے کو اکب مراد ہیں، سب اپنے اپنے مدار پر گھومتے ہیں، ان کا باہمی
 ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

(۵) اس میں اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ اس نے تمہارے لیے سمندر میں کشتیوں کا چلنا آسان فرما
 دیا، حتیٰ کہ تم اپنے ساتھ بھری ہوئی کشتیوں میں اپنے بچوں کو بھی لے جاتے ہو۔ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ذُرِّيَّتُهُمْ
 سے مقصود آبائے ذریت ہیں۔ اور کشتی سے مراد کشتی نوح علیہ السلام ہے۔ یعنی سفینہ نوح علیہ السلام میں ان لوگوں کو
 بٹھایا جن سے بعد میں نسل انسانی چلی۔ گویا نسل انسانی کے آبا اس میں سوار تھے۔

(۶) اس سے مراد ایسی سواریاں ہیں جو کشتی کی طرح انسانوں اور سامان تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی
 ہیں، اس میں قیامت تک پیدا ہونے والی چیزیں آئیں۔ جیسے ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریلیں، بسیں، کاریں اور دیگر نقل و
 حمل کی اشیا۔

فریاد رس ہوتا نہ وہ بچائے جائیں۔ (۴۳)
 لیکن ہم اپنی طرف سے رحمت کرتے ہیں اور ایک مدت
 تک کے لیے انہیں فائدے دے رہے ہیں۔ (۴۴)
 اور ان سے جب (کبھی) کہا جاتا ہے کہ اگلے پچھلے
 (گناہوں) سے بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۴۵)
 اور ان کے پاس تو ان کے رب کی نشانیوں میں سے
 کوئی نشانی ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رخی نہ
 برتتے ہوں۔^(۱) (۴۶)

اور ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے
 میں سے کچھ خرچ کرو،^(۲) تو یہ کفار ایمان والوں کو جواب
 دیتے ہیں کہ ہم انہیں کیوں کھلائیں؟ جنہیں اگر اللہ تعالیٰ
 چاہتا تو خود کھلا پلا دیتا،^(۳) تم تو ہو ہی کھلی گمراہی میں۔^(۴) (۴۷)
 وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا، سچے ہو تو بتلاؤ۔ (۴۸)

انہیں صرف ایک سخت چیخ کا انتظار ہے جو انہیں آپکڑے
 گی اور یہ باہم لڑائی جھگڑے میں ہی ہوں گے۔^(۵) (۴۹)

إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۴۳﴾

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۴۴﴾

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴۵﴾

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْطَعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۴۶﴾

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۷﴾

مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿۴۸﴾

(۱) یعنی توحید اور صداقت رسول کی جو نشانی بھی ان کے سامنے آتی ہے، اس میں یہ غور ہی نہیں کرتے کہ جس سے ان کو فائدہ ہو، ہر نشانی سے اعراض ان کا شیوہ ہے۔

(۲) یعنی غریب و مساکین اور ضرورت مندوں کو دو۔

(۳) یعنی اللہ چاہتا تو ان کو غریب ہی نہ کرتا، ہم ان کو دے کر اللہ کی مشیت کے خلاف کیوں کریں۔

(۴) یعنی یہ کہہ کر کہ، غریب کی مدد کرو، کھلی غلطی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ یہ بات تو ان کی صحیح تھی کہ غربت و ناداری اللہ کی مشیت ہی سے تھی، لیکن اس کو اللہ کے حکم سے اعراض کا جواز بنا لینا غلط تھا، آخر ان کی امداد کرنے کا حکم دینے والا بھی تو اللہ ہی تھا، اس لیے اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ غریب و مساکین کی امداد کی جائے۔ اس لیے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضا اور چیز۔ مشیت کا تعلق امور تکوینی سے ہے جس کے تحت جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس کی حکمت و مصلحت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور رضا کا تعلق امور تشریحی سے ہے، جن کو بجالانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے تاکہ ہمیں اس کی رضا حاصل ہو۔

(۵) یعنی لوگ بازاروں میں خرید و فروخت اور حسب عادت بحث و تکرار میں مصروف ہوں گے کہ اچانک صور پھونک

اس وقت نہ تو یہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے اہل کی طرف لوٹ سکیں گے۔ (۵۰)

تو صور کے پھونکے جاتے ہی سب^(۱) کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف (تیز تیز) چلنے لگیں گے۔ (۵۱)

کہیں گے ہائے ہائے! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا۔^(۲) یہی ہے جس کا وعدہ رحمن نے دیا تھا

اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا۔ (۵۲)

یہ نہیں ہے مگر ایک چیخ کہ یکایک سارے کے سارے ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ (۵۳)

پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تمہیں نہیں بدلہ دیا جائے گا، مگر صرف ان ہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے۔ (۵۴)

جنتی لوگ آج کے دن اپنے (دلچسپ) مشغلوں میں ہشاش بشاش ہیں۔^(۳) (۵۵)

وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ (۵۶)

ان کے لیے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور بھی جو کچھ وہ طلب کریں۔ (۵۷)

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾

وَيُفَعَّرُ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْجُدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿٥١﴾

قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعًا لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾

فَالْيَوْمَ لَا نُنْظِمُ أَنْفُسَ شَيْئًا وَلَا نُجْزُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿٥٥﴾

هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَىٰ الْأَرْبَابِكُمْ مُتَمَكِّنُونَ ﴿٥٦﴾

لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَاللَّهُمَّ مَا يَدْعُونَ ﴿٥٧﴾

دیا جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی یہ نفعِ اولیٰ ہو گا جسے نفعِ فرع بھی کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد دو سرا نفع ہو گا۔ نَفْعَةُ الصَّغْرِ جس سے اللہ تعالیٰ کے سوا سب موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

(۱) پہلے قول کی بنا پر یہ نفعِ ثانیہ اور دوسرے قول کی بنا پر یہ نفعِ ثانیہ ہو گا جسے نَفْعَةُ الْبَعْثِ وَالنُّشُورِ کہتے ہیں اس سے لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

(۲) قبر کو خواب گاہ سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قبر میں ان کو عذاب نہیں ہو گا بلکہ بعد میں جو ہولناک مناظر اور عذاب کی شدت دیکھیں گے اس کے مقابلے میں انہیں قبر کی زندگی ایک خواب ہی محسوس ہو گی۔

(۳) فَآكِبُونَ کے معنی ہیں فَرِحُونَ خوش، مسرت بکنار۔

مہربان پروردگار کی طرف سے انہیں ”سلام“ کہا جائے گا۔^(۱) (۵۸)

اے گناہ گارو! آج تم الگ ہو جاؤ۔^(۲) (۵۹)
اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا،^(۳) وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔^(۴) (۶۰)

اور میری ہی عبادت کرنا۔^(۵) سیدھی راہ یہی ہے۔^(۶) (۶۱)
شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری مخلوق کو بہکا دیا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔^(۷) (۶۲)

سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ ۝

وَأَمَّا زُواكِرُ اللَّيْلِ أُولَئِكَ الْمَكْمُومُونَ ۝

أَلَمْ نَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

وَإِنِ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝

وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۝

(۱) اللہ کا یہ سلام، فرشتے اہل جنت کو پہنچائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود سلام سے نوازے گا۔

(۲) یعنی اہل ایمان سے الگ ہو کر کھڑے ہو۔ یعنی میدان محشر میں اہل ایمان و اطاعت اور اہل کفر و معصیت الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِّئِينَ بِتَقْوَتِهِمْ ﴾ (الروم-۱۱۳) ﴿ يَوْمَئِذٍ يُضَادُّونَ ﴾ (الروم-۳۳) آئی: بِصَيْرُوتٍ صِدْعَيْنِ فِرْقَتَيْنِ ”اس دن لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔“ دوسرا مطلب ہے کہ مجرمین ہی کو مختلف گروہوں میں الگ الگ کر دیا جائے گا۔ مثلاً یہودیوں کا گروہ، عیسائیوں کا گروہ، صابئین اور مجوسیوں کا گروہ، زانیوں کا، شرابیوں کا گروہ وغیرہ وغیرہ۔

(۳) اس سے مراد عمد السلت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالنے کے وقت لیا گیا تھا یا وہ وصیت ہے جو پیغمبروں کی زبان لوگوں کو کی جاتی رہی۔ اور بعض کے نزدیک وہ دلائل عقلیہ ہیں جو آسمان و زمین میں اللہ نے قائم کیے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۴) یہ اس کی علت ہے کہ تمہیں شیطان کی عبادت اور اس کے دوسے قبول کرنے سے اس لیے روکا گیا تھا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اس نے تمہیں ہر طرح گمراہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔

(۵) یعنی یہ بھی عمد لیا تھا کہ تمہیں صرف میری ہی عبادت کرنی ہے، میری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا۔

(۶) یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا، یہی وہ سیدھا راستہ ہے، جس کی طرف تمام انبیاء لوگوں کو بلا تے رہے اور یہی منزل مقصود یعنی جنت تک پہنچانے والا ہے۔

(۷) یعنی اتنی عقل بھی تمہارے اندر نہیں کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ اور میں تمہارا رب ہوں، میں ہی تمہیں روزی دیتا ہوں اور میں ہی تمہاری رات دن حفاظت کرتا ہوں لہذا تمہیں میری نافرمانی نہیں کرنی

هٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۶۳﴾

اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۶۴﴾

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰٓ اَفْوَاهِهِمْ وَتُغْلِقْنَآ اَبْوَابَهُمْ وَنَجْمُدُ اَرْجُلَهُمْ

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰٓ اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ لَوْلَآ اَنَّا

يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾

وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰٓ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا

وَلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾

وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

یہی وہ دوزخ ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔ (۶۳)
اپنے کفر کا بدلہ پانے کے لیے آج اس میں داخل ہو
جاؤ۔ (۶۴) (۱)

ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان
کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں
گواہیاں دیں گے، ان کاموں کی جو وہ کرتے (۲)
تھے۔ (۶۵)

اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں بے نور کر دیتے پھر یہ
رستے کی طرف دوڑتے پھرتے لیکن انہیں کیسے دکھائی
دیتا؟ (۳) (۶۶)

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ ہی پر ان کی صورتیں مسخ
کر دیتے پھر نہ وہ چل پھر سکتے اور نہ لوٹ سکتے۔ (۴) (۶۷)
اور جسے ہم بوڑھا کرتے ہیں اسے پیدائشی حالت کی طرف

چاہیے۔ تم شیطان کی عداوت کو اور میرے حق عبادت کو نہ سمجھ کر نہایت بے عقلی اور نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

(۱) یعنی اب اس بے عقلی کا نتیجہ بھگتو اور اپنے کفر کے سبب سے جہنم کی سختیوں کا مزہ چکھو۔

(۲) یہ مہر لگانے کی ضرورت اس لیے پیش آئے گی کہ ابتداءً مشرکین قیامت والے دن بھی جھوٹ بولیں گے اور کہیں
گے ﴿وَاللّٰهُ رَبُّنَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام-۲۳) ”اللہ کی قسم“ جو ہمارا رب ہے، ہم مشرک نہیں تھے۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ
ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا، جس سے وہ خود تو بولنے کی طاقت سے محروم ہو جائیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ اعضائے
انسانی کو قوت گویائی عطا فرما دے گا، ہاتھ بولیں گے کہ ہم سے اس نے فلاں فلاں کام کیا تھا اور پاؤں اس پر گواہی دیں
گے۔ یوں گویا اقرار اور شہادت، دونوں مرحلے طے ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں ناطق کے مقابلے میں غیر ناطق چیزوں کا
بول کر گواہی دینا، حجت و استدلال میں زیادہ بلوغ ہے کہ اس میں ایک اعجازی شان پائی جاتی ہے۔ (فتح القدر) اس مضمون کو
احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم، کتاب الزہد)

(۳) یعنی بینائی سے محرومی کے بعد انہیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا؟ لیکن یہ تو ہمارا حلم و کرم ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔

(۴) یعنی نہ آگے جاسکتے، نہ پیچھے لوٹ سکتے، بلکہ پھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہتے۔ مسخ کے معنی پیدائش میں تبدیلی کے
ہیں، یعنی انسان سے پھر یا جانور کی شکل میں تبدیل کر دینا۔

پھر الٹ دیتے^(۱) ہیں کیا پھر بھی وہ نہیں سمجھتے۔^(۲) (۶۸)
 نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق
 ہے۔ وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔^(۳) (۶۹)

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿۶۸﴾

(۱) یعنی جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں، اس کی پیدائش کو بدل کر برعکس حالت میں کر دیتے ہیں۔ یعنی جب وہ بچہ ہوتا ہے تو اس کی نشوونما جاری رہتی ہے اور اس کی عقلی اور بدنی قوتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ جوانی اور کمالت کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے برعکس اس کے قوائے عقلیہ و بدنیہ میں ضعف و انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ ایک بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔

(۲) کہ جو اللہ اس طرح کر سکتا ہے، کیا وہ دوبارہ انسانوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟

(۳) مشرکین مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے مختلف قسم کی باتیں کہتے رہتے تھے، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ شاعر ہیں اور یہ قرآن پاک آپ کی شاعرانہ تک بندی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی۔ کہ آپ شاعر ہیں اور نہ قرآن شعری کلام کا مجموعہ ہے بلکہ یہ تو صرف نصیحت اور موعظت ہے۔ شاعری میں بالعموم مبالغہ، افراط و تفریط اور محض تخیلات کی ندرت کاری ہوتی ہے، یوں گویا اس کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شاعر محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں، کردار کے نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ اپنے پیغمبر کو شعر نہیں سکھائے، نہ اشعار کی اس پر وحی کی، بلکہ اس کے مزاج و طبیعت کو ایسا بنایا کہ شعر سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی کسی کا شعر پڑھتے تو اکثر صحیح نہ پڑھ پاتے اور اس کا وزن ٹوٹ جاتا۔ جس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ یہ احتیاط اس لیے کی گئی کہ منکرین پر اتمام حجت اور ان کے شبہات کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ قرآن اس کی شاعرانہ تک بندی کا نتیجہ ہے، جس طرح آپ کی امیت بھی قطع شبہات کے لیے تھی تاکہ لوگ قرآن کی بابت یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ تو اس نے فلاں سے سیکھ پڑھ کر اس کو مرتب کر لیا ہے۔ البتہ بعض مواقع پر آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ کا نکل جانا، جو دو مصرعوں کی طرح ہوتے اور شعری اوزان و بحر کے بھی مطابق ہوتے، آپ کے شاعر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے۔ کیونکہ ایسا آپ کے قصد و ارادہ کے بغیر ہوا اور ان کا شعری قالب میں ڈھل جانا ایک اتفاق تھا، جس طرح حنین والے دن آپ کی زبان پر بے اختیار یہ رجز جاری ہو گیا

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ - أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ .

ایک اور موقع پر آپ ﷺ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إضْبَعٌ دَمِيَّتِ

وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِينِ

(صحیح بخاری و مسلم، کتاب الجہاد)

تاکہ وہ ہر اس شخص کو آگاہ کر دے جو زندہ ہے،^(۱) اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے۔^(۲) (۷۰)
 کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں بنائی^(۳) ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے چوپائے^(۴) (بھی) پیدا کر دیئے، جن کے یہ مالک ہو گئے ہیں۔^(۵) (۷۱)
 اور ان مویشیوں کو ہم نے ان کا تابع فرمان بنا دیا ہے^(۶) جن میں سے بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔ (۷۲)
 انہیں ان سے اور بھی بہت سے فائدے ہیں،^(۷) اور پینے کی چیزیں۔ کیا پھر (بھی) یہ شکر ادا نہیں کریں گے؟ (۷۳)
 اور وہ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں تاکہ وہ مدد کئے جائیں۔^(۸) (۷۴)

لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَجِزَّ الْقَوْلَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مَا مَلَكَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَلَكَونَ ۝

وَذَلَّلْنَا لَهُم مِّن مَّاءٍ لَّيْسَ لَهُم مِّنْهَا يُكَلِّونَ ۝

وَلَهُمْ فِيهَا مَنَاقِبُ وَمَشَارِبٌ أَقْلًا يَشْكُرُونَ ۝

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ۝

(۱) یعنی جس کا دل صحیح ہے، حق کو قبول کرتا اور باطل سے انکار کرتا ہے۔

(۲) یعنی جو کفر پر مصر ہو، اس پر عذاب والی بات ثابت ہو جائے۔ لِيُنذِرَ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔

(۳) اس سے غیروں کی شرکت کی نفی ہے، انکو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، کسی اور کا انکے بنانے میں حصہ نہیں ہے۔

(۴) أَنْعَامٌ، نَعَم کی جمع ہے۔ اس سے مراد چوپائے یعنی اونٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ، دنبہ) ہیں۔

(۵) یعنی جس طرح چاہتے ہیں ان میں تصرف کرتے ہیں، اگر ہم ان کے اندر وحشی پن رکھ دیتے (جیسا کہ بعض

جانوروں میں ہے) تو یہ چوپائے ان سے دور بھاگتے اور وہ ان کی ملکیت اور قبضے میں ہی نہ آسکتے۔

(۶) یعنی ان جانوروں سے وہ جس طرح کا بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، وہ انکار نہیں کرتے، حتیٰ کہ وہ انہیں ذبح بھی کر

دیتے ہیں اور چھوٹے بچے بھی انہیں کھینچے پھرتے ہیں۔

(۷) یعنی سواری اور کھانے کے علاوہ بھی ان سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں مثلاً ان کی اون اور بالوں سے

کئی چیزیں بنتی ہیں، ان کی چربی سے تیل حاصل ہوتا ہے اور یہ بار برداری اور کھیتی باڑی کے بھی کام آتے ہیں۔

(۸) یہ ان کے کفرانِ نعمت کا اظہار ہے کہ مذکورہ نعمتیں، جن سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں، سب اللہ کی پیدا کردہ ہیں۔ لیکن

یہ بجائے اس کے کہ یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں یعنی ان کی عبادت و اطاعت کریں، یہ غیروں سے امیدیں

وابستہ کرتے اور انہیں معبود بناتے ہیں۔

(حالانکہ) ان میں انکی مدد کی طاقت ہی نہیں، (لیکن) پھر بھی (مشرکین) ان کے لیے حاضر باش لشکری ہیں۔^(۱) (۷۵)
پس آپ کو ان کی بات غمناک نہ کرے، ہم ان کی پوشیدہ اور علانیہ سب باتوں کو (بخوبی) جانتے ہیں۔ (۷۶)
کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر کیا ایک وہ صریح جھگڑا لو بن بیٹھا۔ (۷۷)
اور اس نے ہمارے لیے مثال بیان کی اور اپنی (اصل) پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ (۷۸)

آپ جواب دیجئے! کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے،^(۲) جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے۔ (۷۹)

وہی جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی جس سے تم یکا یک آگ سلگاتے ہو۔^(۳) (۸۰)
جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ ان

لَا يَسْتَوُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّخَضَّرُونَ ۝۱

فَلَا يَعْرِزُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُرِيدُونَ وَيَأْمُرُونَ ۝۲

أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانَ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝۳

وَصَرَ بَلَدًا لَنَا مَثَلًا وَ لَيْسَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ مَجِي الْعِظَامِ وَ هِيَ رَمِيمٌ ۝۴

قُلْ يُعِيبُهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝۵

إِلَّا الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِتُّنَّ ۝۶
تُوقَدُونَ ۝۷

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ

(۱) جُنْدٌ سے مراد بتوں کے حمایتی اور ان کی طرف سے مدافعت کرنے والے، مُخَضَّرُونَ دنیا میں ان کے پاس حاضر ہونے والے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جن بتوں کو معبود سمجھتے ہیں، وہ ان کی مدد کیا کریں گے؟ وہ تو خود اپنی مدد کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ انہیں کوئی برا کئے، ان کی مذمت کرے، تو یہی ان کی حمایت و مدافعت میں سرگرم ہوتے ہیں، نہ کہ خود ان کے وہ معبود۔

(۲) یعنی جو اللہ تعالیٰ انسان کو ایک حقیر نطفے سے پیدا کرتا ہے، وہ دوبارہ اس کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ اس کی قدرت احیائے موتی کا ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی آدھی راکھ سمندر میں اور آدھی راکھ تیز ہو والے دن خشکی میں اڑادی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری راکھ جمع کر کے اسے زندہ فرمایا اور اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا، تیرے خوف سے۔ چنانچہ اللہ نے اسے معاف فرمایا۔ (صحیح بخاری، الأنبياء، والرفاق، باب الخوف من الله)

(۳) کہتے ہیں عرب میں دو درخت ہیں مرغ اور عفار۔ ان کی دو لکڑیاں آپس میں رگڑی جائیں تو آگ پیدا ہوتی ہے، سبز درخت سے آگ پیدا کرنے کے حوالے سے اسی طرف اشارہ مقصود ہے۔

جیسوں^(۱) کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، بے شک قادر ہے۔ اور وہی تو پیدا کرنے والا دانا (مینا) ہے۔ (۸۱)
 وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرما دینا (کافی ہے) کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ (۸۲)^(۲)
 پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور^(۳) جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ (۸۳)^(۴)

سورہ صفات مکی ہے اور اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قسم ہے صف باندھنے والے (فرشتوں) کی۔ (۱)
 پھر پوری طرح ڈانٹنے والوں کی۔ (۲)
 پھر ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والوں کی۔ (۳)
 یقیناً تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔ (۴)^(۵)

مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ۝۱

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝۲

فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۳

سُورَةُ الصَّفَاتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَالصَّفَاتِ صَفًا ۝۱

فَالرَّحْمَتِ رَحْمًا ۝۲

فَالثَّلَاثِ ذِكْرًا ۝۳

إِنَّ الْعَالَمَ لَوَاحِدٌ ۝۴

(۱) یعنی انسانوں جیسے۔ مطلب، انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا ہے جس طرح انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَخَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ (المؤمن-۵۷) ”آسمان و زمین کی پیدائش (لوگوں کے نزدیک) انسانوں کی پیدائش سے زیادہ مشکل کام ہے۔“ سورہ احقاف-۳۳ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی اس کی شان تو یہ ہے، پھر اس کے لیے سب انسانوں کا زندہ کر دینا کون سا مشکل معاملہ ہے؟

(۳) ملک اور ملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، بادشاہی، جیسے رَحْمَةٌ اور رَحْمُوتٌ رَهْبَةٌ اور رَهْبُوتٌ، جَبْرٌ اور جَبْرُوتٌ وغیرہ ہیں۔ (ابن کثیر) بعض اس کو مبالغے کا صیغہ قرار دیتے ہیں۔ (فتح القدر) یعنی مَلَكُوتٌ مُلْكٌ کا مبالغہ ہے۔

(۴) یعنی یہ نہیں ہو گا کہ مٹی میں رل مل کر تمہارا وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، نہیں، بلکہ اسے دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا۔ یہ بھی نہیں ہو گا کہ تم بھاگ کر کسی اور کے پاس پناہ طلب کر لو۔ تمہیں بہر حال اللہ ہی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہو گا، جہاں وہ عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔

(۵) صَفَاتٌ، رَاجِرَاتٌ، تَالِيَاتٌ فرشتوں کی صفات ہیں۔ آسمانوں پر اللہ کی عبادت کے لیے صف باندھنے والے، یا اللہ